محمد ایوب قادری

سیر الاقطاب

(سلسلہ صابریہ کے اوّلین تذکرہ کا تعارف)

برصغیر پاک و ہند میں عہد سلاطین میں چشتیہ سلسلے کے مشائخ کے تبلیغی و اصلاحی کاموں کا سلسلہ پورے ملک کو محیط ہے اور اس سلسلے کے پہلے شموس ستہ خواجہ معین الدین اجمیریؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، بابا فرید الدین گنج شکرؒ، شیخ نظام الدین اولیا بدایونیؒ، شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ اور خواجہ گیسو درازؒ وہ اجل مشائخ ہیں، جن کی تبلیغی و اصلاحی سرگرمیوں کی گرمی آج بھی محسوس ہوتی ہے۔ ان بزرگوں کے حالات و واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیاسی استحکام کے ساتھ ساتھ انھوں نے اصلاح معاشرہ کی بھی پوری پوری کوشش کی۔ یہ حضرات باہمہ و بے ہمہ زندگی گزارتے تھے۔ آبادیوں اور ویرانوں میں یکساں طور سے دل کی بستیاں بساتے تھے۔ شاہانِ کج کلاہ اور امراء و وزرا کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، مگر ان غربا و مساکین کو سینے سے لگاتے تھے جنھیں معاشرہ نے نظر انداز کر دیا تھا۔ غرض چشتیہ سلسلے کے بزرگوں کے کارنامے نہایت وسیع ہیں۔

ان مشائخ کے حالات جستہ جستہ کتابوں میں ملتے ہیں۔ سرور الصدور (حمید الدین سوالی ناگوری) سیر الاولیاء (میر خورد)، فوائد الفواد (ملفوظاتِ نظامی)، شرف الدین یحییٰ منیری، لطائف اشرفی (مخدوم اشرف جہاں گیر) مکتوباتِ اشرفی، سراج الہدایہ، خزانۂ جلالی (مخدوم جہانیاں جہاں گشت) اور تصانیف و ملفوظات خواجہ گیسو دراز وغیرہ وہ صوفی ادب ہے جس میں ان بزرگوں کی اعلیٰ تعلیم بھی ملتی ہے اور جستہ جستہ حالات بھی۔ یہ تمام کتابیں تعلیم و تربیت سے متعلق ہیں۔ ان بزرگانِ باصفا کو اپنے احوال و سوانح کی نشر و اشاعت سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا بلکہ وہ تو کنجِ تنہائی، عزلت گزینی، اور اخفائے حال کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کے ملفوظات میں کہیں کہیں سوانحی اشارے مل جاتے ہیں۔

سیر الاولیاء ملفوظات و تعلیمات کا مرقع ہے۔ سوانحی حالات تو برائے نام ہیں۔ اس اعتبار سے سیر العارفین سب سے پہلا تذکرۂ صوفیہ ہے جس میں مؤلف نے مشائخ و صوفیہ کے حالات پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

چشتیہ سلسلے کی مشہور و معروف شاخ چشتیہ نظامیہ ہے۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس سلسلے کی دوسری "صابری شاخ" کے مؤسس اول شیخ صابر کے حالات میں ہم عصر تاریخی نوشتے یکسر خاموش ہیں۔ تفصیلی نہیں اجمالی طور ہی سے سہی کہیں تو کچھ ذکر ملنا چاہیے۔ جب اس دور کے صوفی ادب کا جائزہ لیا جاتا ہے تو شاہ صابر کے ذکر سے وہ بھی یکسر خالی ہے۔ بعض لوگوں نے اس دور کے ارباب قلم پر جانب داری بلکہ تعصب کا بھی الزام لگایا ہے جو کسی طرح صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ وہ نفوس قدسیہ جو سراپا اخلاق و محبت تھے ایک معمولی سی بات میں ملوث ہوتے اور اپنے سلسلے کے ایک اجل شیخ کے ذکر سے احتراز کرتے، ارباب تاریخ و سیر کے لیے یہ ایک عقدۂ لاینحل ہے۔ اس سلسلے کو سب سے پہلے روشنی میں لانے والے شیخ احمد عبدالحق رودولوی ہیں اور اس کو باقاعدگی بخشنے والے شیخ عبدالقدوس گنگوہی ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ شیخ احمد عبدالحق کے ملفوظات انوار العیون اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مکتوبات ضخیم میں بھی شیخ صابر کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ مشہور مورخ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:[1]

"شیخ علی احمد صابر کے حالات سے معاصر تذکرے اور تاریخیں یکسر خالی ہیں۔"

پروفیسر نظامی آگے چل کر لکھتے ہیں:[2]

"سترھویں اور اٹھارہویں صدی کے مذہبی تذکروں میں ان (شیخ صابر) کے حالات بڑی تفصیل سے درج ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تذکروں نے کہاں سے یہ حالات فراہم کیے ہیں، ان کے ماخذ کیا ہیں اور ان کی تاریخی افادیت کس حد تک ہے؟ غور سے

---

[1] تاریخ مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی (ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۵۳ء) ص ۱۸۷ [2] ایضاً، ص ۲۱۵

دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کے تذکروں کی بنیاد یا تو کشف پر ہے یا محض سنی سنائی روایات پر، دونوں صورتوں میں ان پر اعتماد کرنا خطرے سے خالی نہیں۔"

صابری شاخ کے حالات میں سب سے پہلا تذکرہ سیر الاقطاب مصنفہ شیخ الہ دیا چشتی ملتا ہے اس لیے اس تذکرے کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ شیخ الہ دیا چشتی، قصبہ پانی پت کے باشندے اور ایک قدیم خانوادے کے رکن ہیں۔ ریاست و امارت کے ساتھ ساتھ اس خانوادے میں تصوف و سلوک کی بھی روایات ملتی ہیں۔ شیخ الہ دیا نے اپنا نام مقدمہ کتاب میں اس طرح لکھا ہے:[۳۵]

"الہ دیہ بن شیخ عبدالرحیم بن حکیم شیخ بینا چشتی عثمانی۔"

شیخ الہ دیا، براہ راست مخدوم کبیر الاولیا شیخ جلال پانی پتی کی اولاد میں ہیں۔ مخدوم کبیر الاولیاء کے پانچ فرزند تھے:

(۱) شیخ عبدالقادر۔ (۲) شیخ ابراہیم (۳) شیخ شبلی، (۴) شیخ کریم الدین۔ اور (۵) شیخ عبدالواحد۔

شیخ ابراہیم کی اولاد میں بیہقیِ وقت اور علم الہدیٰ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تھے۔

شیخ شبلی (ف ۸۵۲ھ) نامور باپ کے جانشین و خلیفہ ہوئے اور ان کی اولاد میں تا ایندم سلسلہ سجادگی جاری و ساری ہے۔ مخدوم کبیر الاولیا کی اس خاندانی شاخ کا تفصیلی ذکر سیر الاقطاب ہی میں ملتا ہے۔ شیخ شبلی کے بعد ان کے فرزند شیخ عبدالقدوس اور پھر اُن کے فرزند خواجہ عبدالکبیر (ف ۹۴۷ھ) پھر شیخ عثمان زندہ پیر (ف ۹۹۰ھ) پھر شیخ نظام الدین (ف ۱۰۱۸ھ) اور پھر شیخ عبدالسلام شاہ اعلیٰ (ف ۵ ربیع الاول ۱۰۳۳ھ/۱۶۲۳ء) سجادہ نشین ہوئے اور آخر الذکر شاہ اعلیٰ شیخ الہ دیا مؤلف سیر الاقطاب کے شیخ طریقت اور اس کتاب کی مرکزی شخصیت ہیں۔ اس سلسلے کے آخری سجادہ نشین (تقسیم ملک کے بعد) شاہ عین الحق صاحب تھے جن کے صاحبزادگان مصباح الحق، معز الحق، حبیب الحق

---

[۳۵] سیر الاقطاب از شیخ الہ دیہ چشتی (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۳ء) ص ۳

اور مطیع الحق ہوئے تھے[۳]۔

فرزند اکبر شیخ عبد القادر کی اولاد میں سیر الاقطاب کے مؤلف شیخ الہ دیا کے دادا حکیم شیخ[۴] بینا مشہور شخصیت اور دربارِ اکبری میں باریاب تھے۔ جراح کامل اور طبیب حاذق تھے۔ ان کا بیٹا شیخ حسن معروف بہ حسو المخاطب بہ مقرب خاں بھی اس فن میں باپ کا صحیح جانشین تھا۔ عہدِ جہانگیری میں اُسے مقرب خاں کا خطاب اور پنج ہزاری منصب ملا۔ گجرات اور آگرہ کا گورنر مقرر ہوا۔ عہدِ شاہجہانی میں بھی وہ صاحب اعزاز و منصب رہا۔ ۱۰۵۶ھ/۱۶۴۶ء میں راہی ملک بقا ہوا۔ مقرب خاں کے بھائی دیوان عبد الرحیم تھے۔ ان کے دس بیٹے تھے جن میں سے شیخ فضیل اور محمد قاسم، اپنے دو بھائیوں کا ذکر تو شیخ الہ دیا نے سیر الاقطاب میں بھی کیا ہے۔ شیخ فضیل کی اولاد میں نامور عالم و مناظر مولانا رحمت اللہ کیرانوی (ف ۱۳۰۸ھ) تھے جن کی ردِ عیسائیت میں بڑی شہرت ہے۔ مدرسہ صولتیہ (مکہ مکرمہ) کی بدولت آج بھی ان کا نام زندہ جاوید ہے۔

شیخ الہ دیا ایک نامور، ممتاز اور صاحبِ ثروت خاندان کے رکن تھے۔ ان کے والد شیخ عبد الرحیم بھی نامور طبیب اور منصب دار تھے۔ شیخ الہ دیا کی تعلیم و تربیت حسبِ رواج اعلیٰ پیمانے پر ہوئی۔ دربارِ شاہی میں صاحبِ منصب ہوئے۔ شاہجہان بادشاہ کے سفر میں بھی ان کو ہم رکابی کا شرف حاصل رہا[۵]۔ وہ ذوق تصوف و سلوک سے آشنا اور مخدوم کبیر الاولیا شیخ جلال کے سجادہ نشین شیخ عبد السلام شاہ اعلیٰ کے مرید تھے۔ انھوں نے اپنے شیخ کے ملفوظات "جواہر اعلیٰ" کے نام سے مرتب کیے۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں[۶]

---

[۳] آثار رحمت از امداد صابری (دہلی ۱۹۶۶ء)، ص ۷۲

[۴] خاندانی تذکروں میں ان کا نام عبد الکریم عرف حکیم بینا بتایا ہے۔ ملاحظہ ہو "مجاہد معمار" از محمد سلیم (کراچی ۱۹۵۲ء) آثار رحمت، ص ۵۶، مآثر الامرا، جلد سوم (اردو ترجمہ)، ص ۳۲۱۔ (لاہور ۱۹۷۰ء) میں شیخ بینا لکھا ہے۔

[۵] سیر الاقطاب، ص ۲۵۰ [۶] ایضاً ۲۳۴

• اکثرآں در ملفوظ آنحضرت مسمی بہ جواہر اعلیٰ کہ ایں بندہ درگاہ علیحدہ نمودہ است ؂

انھوں نے اپنی کتاب سیر الاقطاب میں کئی جگہ ان ملفوظات "جواہر اعلیٰ" کا ذکر کیا ہے معلوم نہیں کہ دست بردِ زمانہ سے یہ ملفوظات محفوظ رہ سکے یا نہیں۔ شیخ کی جناب میں الہ دیا کو خاص قرب و منزلت حاصل تھی۔ وہ اکثر خاص مجالس میں حاضر ہوتے تھے۔ چہیتے مرید ہونے کی وجہ سے وہ بعض معاملات میں شیخ سے استفسار بھی کر لیتے تھے جب کہ دوسرے ارادت مند اس نوع کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ شیخ ان کی معروضات کو اکثر شرفِ قبولیت بخشتے۔ شیخ کی خدمت میں الہ دیا کے قرب و اختصاص کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو "الوس خاصگی" عنایت ہوا۔ شیخ عبدالسلام شاہ علی کبھی کبھی شیخ الہ دیا کے گھر بھی تشریف لے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر انھوں نے الہ دیا کے چچا مقرب خاں اور بھائی قاسم کی خیر و عافیت کی اطلاع اہلِ خاندان کو دی۔

شیخ الہ دیا کا انتقال کب ہوا؟ اس سلسلے میں کسی تاریخی نوشتے سے کوئی شہادت نہیں ملتی لیکن ۱۰۶۹ھ تک زندہ تھے جیسا کہ خود انھوں نے سیر الاقطاب میں ایک جگہ ذکر کیا ہے [۵۸]

شیخ الہ دیا کو صوفیا و مشائخ سے عموماً اور خواجگانِ چشت سے خصوصاً غایت درجہ عقیدت و ارادت تھی۔ چنانچہ ان کی اس عقیدت و ارادت کی وجہ سے ان کے بعض احباب نے ان سے درخواست کی کہ وہ احوالِ صوفیا میں ایک تذکرہ ترتیب دیں۔ چنانچہ انھوں نے یہ تذکرہ "سیر الاقطاب" مرتب کیا۔ وہ لکھتے ہیں [۵۹]:

> بعد ما بعد می نماید کاتب حروف رجامند فضل یزدانی الہدیہ بن شیخ عبدالرحیم بن شیخ بینا چشتی العثمانی ..... کہ چوں در سویداسے دل ایں حقیر ولولۂ عشق و محبت و سلسلۂ متعلقہ حضرت خواجگان چشت یکساں بودہ و اکثر اوقات کہ اجتماعِ عزیزاں می شد نقل مجلس نقل ایشاں بوقوع آمدہ بزبانِ ہر آنچہ در دل باشد بنا بر التماس بعضے اعزہ احبا آنچہ از

---

[۵۸] سیر الاقطاب، ص ۲۵۱ [۵۹] ایضاً، ص ۲۳۰

تتبع و تفحص و تردد کتب متداولہ مثل تذکرۃ الاولیا و سیر الاولیا و نفحات الانس وغیرہ ذالک لہم رسیدہ در سنہ ست و ثلثین و الف بعہد سلطان ملک بارگاہ دار اصولت جمجاہ فریدون مرتبت سکندر منزلت حضرت ابوالمظفر شہاب الدین محمد صاحب قران ثانی شاہجہان غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ بحالت بے اختیاری از قلم زبان بزبان قلم تراوش کردہ، ابتدائے احوال از سر حلقہ ولایت کان ہدایت اسد اللہ الغالب حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کہ وے بلا واسطہ بحضرت خواجہ کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم می رسد شروع نمودہ تا عہد دولت خلافت پیر دستگیر روشن ضمیر حجۃ المحققین قطب وقت شاہ علی اکبر کہ ہزاراں ہزار جان مشتاقان جمال جہاں آرائش فدائے خاک درگہش کہ رشک آب خضر است ختم نمودہ، بالہام ربانی ملہم گردیدہ سیر الاقطاب نام نہادہ۔"

سیر الاقطاب، اکثر سفر میں بھی مؤلف کے ہمراہ رہتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ سفر کابل میں بادشاہ کی ہم رکابی میں یہ کتاب دریا میں گر گئی اور صحیح و سلامت رہی[۱۰]۔ اسی طرح مؤلف نے اپنا ایک خواب نقل کیا ہے جس میں بتایا ہے کہ خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے بھی اس کتاب کو پسند فرمایا ہے۔ شیخ الہدیا نے یہ کتاب اپنے شیخ طریقت عبد السلام شاہ اعلیٰ کے انتقال ۱۰۳۳ھ کے تین سال بعد ۱۰۳۶ھ میں شروع کی اور بیس سال[۱۱] کی طویل مدت (۱۰۵۶ھ) میں اُسے اتمام کو پہنچایا۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

"اکنوں بر ضمائر اولو الابصار روشن باد کہ چوں ایں گنہ گار بے سر انجام و خاکروب در خواجگان

---

[۱۰] سیر الاقطاب، ص ۲۰۵

[۱۱] تعجب ہے کہ یہ معمولی حجم کی کتاب بیس سال کی مدت میں مکمل ہوئی جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لے کر حضرت بابا فرید الدین شکر گنج تک بیس مشائخ کے حالات مؤلف نے دوسری کتابوں سے نقل کیے ہیں۔ بقیہ بارہ مشائخ کے حالات اس کے اپنے فراہم کردہ ہیں۔

به عنایتِ حق سبحانهٗ تعالیٰ بمدد ہمت حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم توفیق رفیق یافتم تا ایں مجموعہ را کہ بہ سیرالاقطاب موسوم است از سنہ ستہ وثلثین والف شروع نمودہ بہ محنت بسیار در سنہ ستہ وخمسین والف مرتب ساختم۔ چنانچہ تاریخ اتمامش ایں است۔"

ابیات

مرتب شد چوں ایں بحر معانی	بہ لطف ایزد ودانا و دادار
شدم اندر پے تاریخ در فکر	زلوح غیب تا گردد چہ اظہار
اگرچہ سالہا بردم بسے رنج	ولے شد عاقبت دولت پدیدار
خدا را شکر گویم بے نہایت	کہ لطف او نمود انجام ایں کار
بدل تاریخ اتمامش چو جستم	ندا آمد "سراسر گنج اسرار" ۱۰۵۶ھ

شیخ اللہ دیا شعر و شاعری کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ انھوں نے سیرالاقطاب میں اکثر اپنے اشعار نقل کیے ہیں۔ چنانچہ نعت کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

محمد آفتاب آفرینش	مہ افلاک معنی چشم بینش
زمین و آسماں در ملت او	دو عالم روزگار دولتِ او
خدا از خلقت او ناز دارد	کہ با وے گونہ گونہ راز دارد
پس از یزداں دگر پیش از ہمہ بود	ز خلقت ذات پاکش بود مقصود
بجز ایزد نداند وصف او کس	کہ دانستہ مر او را بہتر و بس

سیرالاقطاب کے خطی نسخے اکثر کتب خانوں میں موجود و محفوظ ہیں۔ یہ کتاب سب سے پہلے سید مظہر علی المتخلص بہ پاسخ جمعدار چھاؤنی دکن کے حسبِ فرمائش مطبع اودھ اخبار (لکھنؤ) میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔ اس کے بعد جنوری ۱۹۱۳ء (صفر ۱۳۳۱ھ) میں چوتھی بار مطبع نولکشور لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ مطبع نولکشور لکھنؤ سے اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ ۱۹۷۳ء میں نفیس اکیڈمی کراچی نے بھی

سیر الاقطاب کا اردو ترجمہ شائع کیا۔ مترجم پروفیسر معین الدین عدردائی ہیں)۔

آج سے تقریباً چالیس سال قبل اس کتاب کا اُردو ترجمہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن سے بعنوان "تذکرہ خاصانِ خدا" شائع ہوا ہے۔ یہ ترجمہ مصطفائی بیگم لیڈی کمشنر خزانۂ عامرۂ سرکارِ عالی (حیدرآباد دکن) نے کیا تھا اور اس کتاب کی وضاحت اس طرح کی گئی تھی "عہد شاہ جہانی کے ایک معتبر و قلمی تذکرہ اولیائے کرام کا سلیس و بامحاورہ اُردو ترجمہ"، ترجمہ نگار مصطفائی بیگم نے اس کتاب کا انتساب اپنے بھائی جناب مظہر اللہ خاں صاحب کے نام کیا ہے اور اس پر مقدمہ جناب مولانا محمد حامد خاں ہندی نے لکھا ہے۔ اس طرح چند عربی سطور بطور پیش لفظ "سید حبیب جعفر عیدروس صاحب سجادہ نشین عیدروسیہ (حیدرآباد دکن) نے بھی رقم فرمائی ہیں۔

بقول مقدمہ نگار مولوی محمد حامد خاں ہندی، مصطفائی بیگم نے اس کتاب کا ملخصاً ترجمہ کیا ہے اور اس تلخیص کی تفصیل یہ ہے کہ ابتدا میں حضرت علی پر حالات کا خلاصہ کر دیا ہے۔ اسی طرح کتاب کے آخر میں حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیا کے بعد کے چھ مشائخ (۱) شیخ شبلی (۲) شیخ عبدالقدوس (۳) شیخ عبدالکبیر (۴) شیخ عثمان زندہ پیر (۵) شیخ نظام الدین (۶) حضرت شاہ اعلیٰ کے حالات کا تو بالکل اختصار کر دیا ہے۔ دراصل ان ہی مشائخ کے حالات اس کتاب کا خاص حصّہ تھے۔ مؤلفِ کتاب شیخ اللہ دیا کا مقصد بھی ان ہی بزرگوں کے حالات کی ترتیب و اشاعت تھا۔ شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ یہ حضرات زیادہ مشہور نہیں ہیں اس لیے ان کے حالات کی اس درجہ تلخیص کر دی گئی۔

ایک بات خاص طور سے باعثِ استعجاب ہے کہ ترجمہ نگار اور مقدمہ نگار کسی نے بھی اس کتاب کے اصل نام "سیر الاقطاب" اور صاحب کتاب "شیخ اللہ دیا" کا ذکر نہیں کیا۔ کتاب کا نام "تذکرہ خاصانِ خدا" رکھا اور صرف "عہدِ شاہ جہانی کا ایک قلمی تذکرہ" لکھنا کافی سمجھا۔ ممکن ہے اس میں ناشر کی تجارتی مصلحتوں کو دخل نہ ہو لیکن علمی و تحقیقی اعتبار سے یہ بات کسی طرح مناسب نہیں[۴۳]

---

۴۳ ضرورت ہے کہ اس تذکرہ کا ایک تنقیدی اور محشیٰ ایڈیشن شائع کیا جائے۔